ژاک دریدا کا ''رِدتشکیل'' کا تصور اور اردو ناقدین کی رائے

The concept of Jacques Derrida Deconstruction and Opinion of Urdu Critics

محمد اکبرعلی[i] ڈاکٹر عقیلہ بشیر[ii]

Abstract:

Jacques Derrida (15 July 1930 – 09 Oct. 2004) was an Algerian born French philosopher best known for his theory deconstruction. In this theory he states that text should be analysed to get the new angles of direction because no law or text is present in this world which has rights for final and pure limits. It depends upon the reading of text and the meanings of text and not related to author's opinion or some critics opinion. It should be changed with the reading of text and passage of time. Different classical thoughts were standing on the seen truths, by introducing this theory all were become controversial. In fact, it is an approach in philosophy literary analysis and the fields which rigorously pursues the meaning of a text to the point undoing the opposition on which it is apparently found and to the point of showing that those foundation one irreducibly complex, unstable, or impossible. Different Urdu Critics such as Nasir Abbas Nayyar, Prof. Atteq ullah, Dr. Iqbal Afaqi, Gopi Chand Narang and Dr. Altaf Anjum describes the views about deconstruction.

Keywords: *Jacques Derrida, Deconstruction, Literary Analysis, Pursues, Classical Thoughts.*

Jacques Derrida (۱۵ جولائی ۱۹۳۰ء - ۰۹ اکتوبر ۲۰۰۴ء) الجزائر میں پیدا ہونے والا ایک فرانسیسی فلسفی تھا جو اپنے تھیوری آف ڈی کنسٹرکشن کے لیے مشہور تھا۔ اس نظریہ میں وہ کہتا ہے کہ متن کا تجزیہ نئے زاویوں سے کیا جانا چاہیے کیوں کہ اس دنیا میں کوئی قانون یا متن موجود نہیں ہے جس کے حتمی اور خالص حدود ہوں۔ یہ متن کے پڑھنے اور متن کے معنی پر منحصر ہے اور مصنف کی رائے یا کچھ ناقدین کی رائے سے متعلق نہیں ہے۔ اسے متن کی پڑھائی اور وقت گزرنے کے ساتھ بدلنا چاہیے۔ نظر آنے والی سچائیوں پر مختلف کلاسیکی افکار کھڑے تھے ، اس نظریے کو متعارف کروا کر سب متنازعہ ہو گئے۔ درحقیقت یہ فلسفے کے ادبی تجزیے اور ان شعبوں میں ایک نقطۂ نظر ہے جو کسی متن کے معنی کو اس نکتے تک لے جاتا ہے جس پر وہ بظاہر پائی جانے والی مخالفت کو ختم کر دیتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ بنیادیں پیچیدہ ، غیر مستحکم یا ناممکن ہیں۔ مختلف اردو ناقدین جیسے ناصر عباس نیئر ، پروفیسر عتیق اللہ ، ڈاکٹر اقبال آفاقی ، گوپی چند نارنگ اور ڈاکٹر الطاف انجم نے ردِ تشکیل کے بارے میں خیالات بیان کیے ہیں۔ یہ مقالہ اسی حوالے سے گفت گو کرتا ہے۔

کلیدی الفاظ: ژاک دریدا ، ردِ تشکیل ، نئے زاویے ، ادبی تجزیہ ، قائل کرنا ، روایتی خیالات۔

ژاک دریدا [Jacques Derrida] (۱۵ جولائی ۱۹۳۰ء۔ ۹ اکتوبر ۲۰۰۴ء) فرانسیسی فلسفی اپنے نظریہ ''رد تشکیل'' کے حوالے سے ایک منفرد مقام رکھتے ہیں پس ساختیات اور پس جدیدیت کے فلسفہ میں دریدا رکا یہ نظریہ ایک انقلابی لہر کی صورت میں نمودار ہوا۔ مزید برآں یہ کہ انھوں نے یہ نظریہ اس وقت پیش کیا جبکہ متن کی حدود بندی پر اعتقاد ایک پر تاثیر انداز میں موجود تھا لیکن ۴۰ سے زائد کتب کے مصنف دریدا نے ادب، قانون اور سماجی سائنس پر نمایاں اثرات ڈالے۔ دریدا نے نہ صرف اس تصور کو ادبی ستون

---

i اسکالر پی ایچ۔ڈی ، شعبہ اردو ، بہاءُ الدین زکریا یونی ورسٹی ، ملتان۔ (Corresponding Author)
ii پروفیسر ، شعبہ اردو ، بہاءُ الدین زکریا یونی ورسٹی ، ملتان۔

تک محدود رکھا بلکہ معاشرے میں موجود اخلاقی اور سیاسی مفاہیم کو بھی اس دائرہ کار میں لائے۔ ناقدین نے اس حوالے سے ان کی جن کتب کو سرفہرست گردانا ہے ان میں Speech and phenomena of Grammatology 1967, Writing and Difference 1967, Margins of philosophy 1970 ہیں۔ ان کتب نے نہ صرف رد تشکیل کے نظریے کو تقویت دی بلکہ کئی سیاسی سرگرمیوں کو بھی متاثر کیا۔

رد تشکیل کا نظریہ بھی زبان، تحریر، متن اور حقائق میں موجود حتمیت کو چیلنج کرتا ہے علاوہ ازیں انھوں نے نہ صرف اسے چیلنج کیا بلکہ اس کو وسعت کا تذکرہ یوں کیا کہ :۔

”موجودگی کا اظہار عدم موجودگی کے فرق سے واضح کیا جاسکتا ہے۔“[۱]

مصنف کی تحریر سے لے کر کسی سماجی قانون یا عقائد پر من و عن قبولیت تشکیلی حد بندی کا اظہار ہے جس سے جستجو کے راستے میں جامد پن کا عنصر دکھائی دیتا ہے کیوں کہ متن، قوانین اور عقائد کئی حوالوں سے اپنی تعمیر و تشکیل کی بنیاد پر سوالیہ علامت کے طور پر موجود ہوتے ہیں اور ان کی کھوج میں رکاوٹ یا پابندی کو طاقت کے متوازی عنصر کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے لہٰذا ردِ تشکیلیت کئی حوالوں سے اہم ہے کیوں کہ اس نے نہ صرف ان جامد دیواروں کو گرایا بلکہ نئے زاویوں کی کھوج میں بھی مددگار ثابت ہوئی۔ جبکہ اس کی مخالف سمت میں ہمیں مصنف کی رائے سے مکمل اتفاق، عقائد کی اندھی تقلید اور طاقت کے زور پر قوانین کا اطلاق نظر آتا ہے جو اس مقدس چادر کو حتمی تصور کرتا ہے اور تحقیقی راہوں میں ایک رکاوٹ کا سبب بھی بنتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

گویا متن کے ایسے مفاہیم جنھیں کسی معاشرتی قانون، نفاذ یا مصنف کی وجہ سے حتمی لیبل کے ساتھ قبول کرلیا گیا ہو اس کے دائرہ کار میں وسعت تب ہی ممکن ہے جب نئے زاویوں کو تلاشا جائے۔ بقول ڈاکٹر اورنگ زیب نیازی:

> ”ساخت شکنی Deconstruction کا دعویٰ ہے کہ ہر لفظ کی تہہ میں کئی دوسرے لفظوں کے مدہم نشانات یعنی Traces موجود ہوتے ہیں اسی طرح ہر متن کی تہہ میں دوسرے متون کے نشانات مضمر ہوتے ہیں ان مدہم نشانات کو ہم قرات کے دوران میں دریافت کرتے ہیں۔“[۲]

ان نشانات کی دریافت کئی حوالوں سے ان مقید مطالب پر اثر انداز ہوتی ہے اور یوں معنی کے

ملتوی ہونے کا در واہوتا ہے لیکن کسی نئے معانی کا وجود بھی سامنے آتا ہے جس سے معانی منہدم ہوتے دکھائی نہیں دیتے۔ اسی طرح ادبی متن کسی بھی طرح سے واحد مفہوم کا حامل نہیں ہوتا بلکہ تنقیدی تجزیہ اور قاری کی قرات اس صورتحال کو یکسر بدل دیتی ہے گویا الفاظ جن کا مفہوم واضح اور متعین ہو اس کے علاوہ بھی کسی نئے مفہوم کی طرف اشارہ کر رہے ہوتے ہیں گویا روشن اور تاریک کونوں میں نئے مفاہیم کا انکشاف ایسے تصور کے ذریعے سے ہی ممکن ہو جاتا ہے۔

رد تشکیل کس قدر شدید نوعیت کا بت شکن رویہ بن کر سامنے آیا ایسے تمام نظریوں، جو ساختیات کے زیر اثر پیش ہوتے تھے انھیں پلٹ دیا گیا کسی فلسفہ کی بناوٹ میں موجود اصل حقائق بعض اوقات انھیں بے دخل کر کے نئے زاویوں سے سامنے آنے لگے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے بقول:

> "رد تشکیل Deconstruction سے مراد متن کے مطالعے کا وہ طریقہ کار ہے جس کے ذریعے نہ صرف متن کے متعینہ معنی کو بے دخل Undo کیا جا سکتا ہے بلکہ اس کی معنیاتی وحدت کو پارہ پارہ بھی کیا جا سکتا ہے۔" [۳]

دریدا کے اس تصور کو اس طرح تقویت ملی کہ انھوں نے مغربی تصورات کو ایک مرکز پسند قرار دیا اور یوں مرکزیت کے حامل ہوتے ہوئے گویا لوگ انھیں حتمی اور تسلیم شدہ سمجھتے تھے مگر وقت کے ساتھ ساتھ اور قاری کی قرات ان حدود بندیوں کو توڑ کر نئے مفاہیم کو مقرر کرنے میں انھوں نے افلاطون، روسو، ہیگل جیسے فلسفیوں کے نظریات کی رد تشکیل کر کے ان کی قیمت اور تحکم روی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پاش پاش کر دیا۔ گویا دریدا اپنے اس دعویٰ پر قائم دکھائی دیتا ہے کہ کسی بھی نظام میں آمرانہ رویہ اور مطلق بنیاد ناقابلِ قبول ہے۔ دریدا کی کتاب Of Grammatology میں مرکزیت Logo Centrism پر سیر حاصل بحث شامل ہے یعنی معنی کی کسی ایک صورت پر اکتفا کرنا کلاسیکی دور کی روش تھی جسے دریدا کے اس نظریے نے ہمیشہ دفن کر دیا اور اب نئے مفاہیم کے ساتھ متن کی وضاحت یا تاریک کونوں کی تلاش اپنی دلیل سے اس حتمی مفہوم سے انکاری دکھائی دینے لگی۔

دریدا کے رد تشکیل کے نظریے کی وضاحت وزیر آغا کی تنقید کی روشنی میں مثبت اور منفی دونوں حوالوں سے سامنے آتی ہے:

> "دریدا اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ میں خود کو فلسفیانہ ڈسکورس کی حد پر رکھتا ہوں

میں حد کہتا ہوں موت نہیں۔ جسے آج کل فلسفے کی موت کہا جا رہا ہے میں اس پر ذرا بھی یقین نہیں رکھتا۔" [۴]

وزیر آغا کی تنقید بذات خود ایک پیچیدہ رخ اس وقت اختیار کر لیتی ہے جب دریدا کو رد تشکیل کے حوالے سے ناکام گردانتا ہے اور کبھی مرکزیت گریز جان کر حتمی حدود کو توڑتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ بقول عمران شاہد بھنڈر:

"آغا نے ایک مخصوص سوچ کے ساتھ یہ تصور قائم کر لیا ہے کہ دریدا "عقب" میں دیکھنے میں ناکام رہا ہے عقب کا وہ تصور جو آغا نے متصور کر لیا ہے یہ سپائینوز اور ہیگل کا فلسفہ جوہر نہیں ہے بلکہ یہ وہ عقب ہے جو ایک نظم یا غزل لکھتے وقت آغا کے ذہن میں رہتا ہے۔" [۵]

اگر نگاہ عمیق سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ افلاطون کا فلسفہ کسی بھی طرح سے ظاہر اور عقب کے فرق سے عاری نہ ہے اور دریدا نے اس فلسفہ کو اندر اور باہر کی تفریق کے ساتھ تجزیاتی حوالے سے پیش بھی کیا ہے اس طرح دریدا کی کتاب "تحریر اور افتراق" میں کئی فلسفیوں جن میں ہیگل، لیویناس، ہسرل، ہائیڈیگر، فوکو اور ڈیکارٹ کے فلسفے کو تجزیاتی بنیادوں پر پیش کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور یہ دریدا کی رد تشکیل کا ہی خواص ہے کہ فلسفہ پر لکھی جانے والی ہر تحریر اب دوسرے متون کی طرح قرات کے مراحل سے گذرتی ہے گویا دریدا ان اولین میں شامل ہے کہ جنھوں نے فلسفہ کو منطق اور مطلق بنیادوں سے ہٹا کر نئے مفاہیم کے درو دیوار پر لا کھڑا کیا۔

دریدا کی فکر کو جلا بخشنے میں ہسرل Husserl کی کتاب Origin Of Geometry کا اہم کردار ہے اس حوالے سے دریدا کی تین کتب اس کلیدی رویے کا عملی اظہار ہیں۔ دریدا اس حوالے سے متون کی تفہیم کو کسی مرکزی اور لازمی حیثیت سے تسلیم نہیں کرتا بلکہ انھیں غیر متعین ٹھہراتا ہے، رد تشکیل کی بنیاد رکھتا ہوا نظر آتا ہے بقول وہاب اشرفی:

"Genesis کی بحث میں دریدا اس امر پر زور دیتا ہے کہ کسی چیز کی بھی ابتداء کا سوال یا مسئلہ کبھی حل نہیں ہو سکتا جبکہ ہسرل نے فلسفیانہ بحث کی اساس ابتدائی نکتے کی تلاش پر رکھی تھی اس لیے ہسرل روحانی کرہ فکر میں داخل ہو جاتا ہے۔ دریدا نے اس فکر کا رد

پیش کیا ہے اس کا خیال ہے کہ کسی ابتدائی نکتے کی تفہیم ممکن ہی نہیں اس لیے ضمیر کی فعالیت نئے امکانات سے ٹکراتی رہتی ہے اس لیے وہ جامد نہیں ہوتی۔"[۶]

اردو ناقدین کی رائے میں اس رد تشکیل کے مترادف رد تعمیر، لا تشکیل اور ساخت شکن جیسے الفاظ شامل کیے گئے اور یوں ایک منفی فلسفہ اور رویہ کے طور پر اسے دکھایا گیا ہے کہ کیوں کہ پروفیسر احمد ندیم اسے ابہام کے تاثر سے لبریز گردانتے ہیں اور یہ فلسفہ میں موجود پہلے سے قائم شدہ روایات، اصول، حقائق اور صداقتوں کی تشکیل نو کرتا ہے اس لیے رد تشکیل تنقید سے زیادہ انھیں انکاریت اور تردید کے قریب لا کھڑا کرتا ہے۔ دریدا کا تصور ایک طرف تقریر اور تحریر کی نوعیت پر بحث کرتا ہوا نظر آتا ہے کیوں کہ تقریر کی نوعیت کسی بھی عدم کی تحریر بتاتے ہوئے ہمیں بے بس دکھائی دیتی ہے اس ضمن میں افلاطون کی مثال ان کی عدم موجودگی بھی تحریر کے زور پر ہمیں اپنی اہمیت کا ادراک کروا رہی ہے۔ مزید برآں یہ کہ ان کی شہر آفاق کتاب Of Grammatology مرکزیت کے تصور کو رد کرتی ہوئی نظر آتی ہے ان کے اس تصور نے ماضی کی روایات واقدار کی جگہ نئی تھیوریز کو جگہ دی اور یوں پرانے اور تحکمانہ تصورات تحقیق کی روشنی میں ایک نئے باب میں داخل ہوگئے۔ کیوں کہ متن اپنے مفہوم کے حوالے سے ہمیشہ غیر متعین رہتا ہے اور اس کے بارے میں کسی حتمی فیصلہ تک رسائی ممکن نہیں کیوں کہ وقت کی گردش اور متن کی قرات اس کے مفہوم کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ دریدا نے اگرچہ اس تصور کو ایک نئی صورت میں پیش کیا ہے مگر امریکن Yale School کے مفکرین جن میں Miller, Paul De Man اور Jeffrey Hartman قابل ذکر ہیں انھوں نے بھی کئی کلاسیکی عقیدت مندانہ متون کو پاش پاش کرکے ان کی اصلی تصویر کو پیش کیا ہے۔ مارکسیت جیسی مستند اور حتمی تھیوری جب اپنے کھلے تصور کے ساتھ ہمارے سامنے آتی ہے۔ اور یوں مقدس چادر اسے تصورات سے کھینچ لینے کا سہرا دریدا کے رد تشکیل کے نظریے کو جاتا ہے۔ کیوں کہ ثقافت وقت گزرنے کے ساتھ اپنے تصورات کو سمیٹ کر بدل جاتی ہے اس کی تصدیق John Dewey جان ڈیوی یوں کرتا ہے:

"As Culture Changes, The Concepts that are dominant in a culture change history is rewritten."[7]

اسی طرح رد تشکیل نے Humanism کے تصور بنیاد کو بھی چیلنج کیا کیوں کہ شعور انسانی یعنی

Ego Cogito ہی انسان کی بنیادی شناخت کا مرکز مانا جاتا ہے اسے کانٹ اور ہیگل کے نظریات نے ایک طرف تقویت بخشی جب کانٹ اس صدا کو بلند کرتا ہے کہ I think therefore I am لیکن سولھویں اور سترہویں صدی کے ایسے نعروں کی جڑوں کو اس وقت اکھاڑ کر پھینک دیا گیا جب لاکان اس بات پر مصر دکھائی دیتا ہے:

"I think where i am not; therefore i am where i don't think."[8]

اسی طرح گیاتری چکروتی سپائی واک اگرچہ نوآبادیاتی نقاد ہیں لیکن رد تشکیل کے اصولوں سے ہی انھوں نے پس نوآبادیاتی مطالعہ کی بنیاد کو یقینی بنایا ہے۔ علاوہ ازیں وہ دریدا کی شہرہ آفاق کتاب Of Grammatology کی مترجم بھی ہیں۔ دریدا نے بھی مابعد جدیدیت کے حوالے سے ایک نئے رخ کی نشاندہی کی ہے کہ جس میں رد تشکیل کسی متن کی صورت کی ذمہ دار نہ ہے۔ بلکہ اسے مرکز گریز قرار دیتے ہوئے نئے سرے سے مفاہیم کی تلاش کا کام اس میں شامل ہے۔ دریدا بھی اپنے اصولوں پر عمل درآمد کرتا ہوا متن اور معنی کی متعین صورت سے انکاری دکھائی دیتا ہے اس طرح کسی متعین معنی کی بجائے نئے معنی کی افق پر ظاہر ہونے کا امکان موجود رہتا ہے۔ بقول دریدا:

"A text employees its own stratagems against it producing a force of dislocation that spreads itself through an entire system."[9]

دریدا نے اس ضمن میں اپنی تھیوری کی وضاحت کے لیے افلاطون کے بنیادی تصور Aporia سے تذبذب اور عدم یقینی کی صورتحال کو اخذ کیا ہے اس طرح متن کی تفہیم میں کسی طرح غیر متعین اور بے یقینی کی صورتحال اپنے حوالے سے اہم دکھائی دیتی ہے اس کا اندازہ تعطل اور معمے کی کیفیت میں پنہاں ہوتا ہے کیوں کہ رد تشکیل اپنے اس حوالے سے ہمیشہ کسی نئی روشنی کی تلاش میں تو مگن دکھائی دیتی ہے مگر معنی کی مرکزیت پر اکتفا کرنا کسی بھی طرح سے اس کے لیے سوالیہ نشان ہے اور یوں کلاسیکی، ثقافتی اور الہامی متون جو کسی عقیدہ کے متون کے طور پر نمایاں تھے ہر حوالے سے ایک نئی فکر کے ساتھ اپنے روایتی وجود کو کھو بیٹھے ہیں اور یوں قرات کا نیا رخ اپنے حوالے سے نمایاں بن کر سامنے آتا ہے اس طرح رد تشکیل کے نظریے نے صداقت کی لہر کو تسلیم کیے جانے سے انکار کیا بلکہ اس کی جگہ تحقیقی حوالوں سے ادراک کو ضروری گردانا اور یہ انکاریت متن کی رد تشکیل میں کارگر ثابت ہوئی۔ گویا ایک ایسا نظریہ قرات سامنے آیا کہ جس میں حتمیت کی وحدت کو ہمیشہ چیلنج کیا جاتا رہا ہے بلکہ یہ متعین معانی کو تشکیک کی نگاہ سے دیکھا جاتا

ہے اور یوں مقررہ اور معین معنی کو بے دخل کرتا ہے کسی نئی منزل کی سمت واضح ہوتی ہے کیوں کہ دریدا کے نزدیک معنی کی قطعیت کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

دریدا اس بات کا دعویدار دکھائی دیتا ہے کہ معنی کی مضبوط بنیادوں کا تصور محال ہے کیوں کہ معنی ہمیشہ کسی متعین مقام پر دکھائی نہیں دیتا اور مزید یہ کسی سیاق و سباق کے حوالے سے متعین ہوتا ہے بلکہ ہر لحاظ سے اس کی معنیاتی موجودگی سے انکار ہی رد تشکیل کے قریب لے کر جاتی ہے۔ گویا دریدا نے اپنے نظریہ افتراق کے ذریعے ہمیں اس بات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ معانی کی مساوی طور پر موجودگی اور غیر موجودگی ممکن ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر اقبال آفاقی لکھتے ہیں:

> ''دریدا لفظ افتراق کے ذریعے یہ واضح کرتا ہے کہ معنی کی آزاد اور خود مختار حیثیت نہیں چوں کہ اس کا انحصار زبان میں افتراقات اور اس کے دو رُخ کردار پر ہے اس لیے یہ متغیر اور بے مرکز ہے۔'' [۱۰]

اس طرح رد تشکیل ایک ایسے طریقِ کار کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں انقلابی انداز ان تمام تعقلات و معقولات کو پاش پاش کر دیتا ہے جس کو ہمیشہ سے مستحکم حیثیت سے تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ دریدا نے ان تمام تعقلاتی اختلافات کو جانبدار قرار دیا، کیوں کہ ہمیشہ ان کی حدود تقدیس اور موزونیت کی وجہ سے متنازعہ ہی ہیں اس طرح ان کا نظریہ اشتراق اس قسم کے تمام اختلافات کو کسی ثقافت اور تہذیب کے رخ پر تاریخ کے کسی متعصب صفحہ کی زینت کے طور پر دیکھتا ہے اور یوں ایسی حدود ایک مرکزیت میں اکٹھی ہو کر برتری کے لیے اپنی حیثیت کی قیمت کا نعرہ بلند کر رہی ہوتی ہیں مگر دریدا ایسے خود ساختہ معیارات کا دلدادہ نہیں بلکہ وہ کسی تحقیقی کاوش سے نئے افق کی تلاش کا خواہاں ہے تاکہ روایتی طور پر موجود متن کی تفہیم جس پناہ گاہ کا حصہ دکھائی دیتی ہے وہ کسی بھی طرح سے خالص نہیں ہو سکتی بلکہ اپنی کھوکھلی جڑوں پر موجود ہے۔

فرانس کی سرزمین جہاں فلسفہ کے لیے زرخیز جانی جاتی ہے وہیں پر باغیانہ شعور کے فروغ میں بھی سازگار ثابت ہوئی ہے رد تشکیلیت کا یہ نظریہ دریدا کے لیے اس قدر بھی منفرد بن کر سامنے آیا کہ انھوں نے مقتدرہ قوتوں، اور حکومتی قوانین کو نہ صرف چیلنج کیا بلکہ ان کی جڑوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس روایت شکن فلسفی نے نظام تعلیم کو بھی روایتی حصاروں سے باہر نکالا اس طرح روایتی نظریات سے انکا یہ باغیانہ پن فرانس کے اندر انقلابی ترقی کا سبب بنا۔ کیوں کہ مئی 1968 میں اس تصور کے زیر اثر جامعاتی طلباء کے انقلابی

اقدام کی صورت نے علم بغاوت بلند کیا کیوں کہ یہ محض اتفاق نہ تھا بلکہ دریدا کی شہرہ آفاق کتاب Of Grammatology 1967 کی اشاعت کے ایک برس بعد یہ خاموشی ٹوٹی اور روایت شکنی کے خلاف آوازیں بلند ہوئیں۔ آغاز میں یہ تھیوری ایک متنازعہ صورت کے طور پر جانی گئی کیوں کہ اس نے معاصر فلسفے اور امریکی ادبی تھیوری میں تمام مقبول عام رجحانات و تصورات کا رخ نہ صرف موڑا بلکہ ان پر خط تنسیخ کھینچ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انکاریت کے زمرے میں ڈال دیا۔ اس طرح ادبی تھیوری میں نئے نظام فکر یعنی Paradigm Shift نے جنم لیا اس نے روایتی تھیوری کو متزلزل کر دیا۔ اس طرح نہ صرف انھیں رد کیا بلکہ ان کی شناخت اور بنیاد کا از سر نو محاکمہ کر کے نئے تصورات کو وجود میں لے کر آئی اور یوں ادب، فلسفہ اور متن کے موضوع پر نئی منازل کے یقین میں سازگار ماحول کی فراہمی ہوئی اس حوالے سے عتیق اللہ لکھتے ہیں:

> ”رد تشکیل کا یہ عمل معنی کی کثیر المعنویت اور اس کی گرہیں کھولنے یعنی معنی کشائی اور معنی کاری کے مسلسل عمل سے عبارت ہے چوں کہ معنی کی کوئی حد نہیں اس لیے معنی کے عدم استقلال کے تصور سے ایک غیر یقینی کا تاثر بھی ابھرتا ہے۔“[۱]

متن کے اندر کئی طرح کے وقفے، رخنے اور درزیں موجود ہوتی ہیں جو ہمیں نئے راستوں کی نشاندہی میں معاون و مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔ کیوں کہ معنی کے حوالے سے کوئی بھی ایسا انداز نہیں ہے کہ جس سے مختتم کھیل کی نشاندہی ہوتی ہو اس لیے دریدا معنی کے بکھرنے اور مسلسل پھیلنے کا قائل ہے۔

> ”ایک معنی کو دوسرے معنی کا رد ہونا اور یوں تیسرے معنی کا وہاں سے نمودار ہونا ایک ایسے سلسلہ کا اظہار ہے کہ جس میں معنی کے آثار ہمیشہ قائم رہتے ہیں اور ان پر کسی بندش کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔“[۲]

اس طرح دریدا کی ترجیح معنی فہمی کے مسلسل عمل میں منحصر ہے دریدا کی لغت سے متن کے حوالے سے کسی مفہوم کی مطلق و معین صورت کسی طور قابلِ قبول نہ ہے۔

بنیادی طور پر کسی بھی ادبی متن کا مطالعہ ایک ایسے رد تشکیل مطالعے کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جو کہ متون کو لامرکزیت کا شکار بنا دیتا ہے اس سے قبل متون کو یکجا اور جامع اظہار کا ذریعہ مانا جاتا تھا جو کہ اب انتشار، خود تقسیمی اور مرکزیت کے دائرے میں گردانتے جاتے ہیں اس طرح رد تشکیلیت کی ایک اہم تعریف باربرا جانسن نے The Critical Difference میں:

"متن کا اپنے ہی خلاف مطالعہ قرار دیا ہے۔" [۱۳]

یعنی متن بذات خود توڑ پھوڑ اور تجزیے کے قریب تر گردانا جاتا ہے اور اس بے ترتیبی اور متشلک رویے کی بنا پر اس کے وجود سے کسی نئی سمت کا تعین ممکن ہو پاتا ہے۔ کیوں کہ دریدا نے بذات خود Of Grammatology میں رد تشکیل کے حوالے سے لکھا ہے:

"یہ ہمیشہ ایک خاص تعلق پر نظر رکھتا ہے جس کا احساس لکھاری کو نہیں ہوتا زبان کے استعمال کے جو نمونے وہ اپنی تحریروں میں دانستہ اور نادانستہ استعمال کرتا ہے یہ متن کے دروں نہ دکھائی دینے والے عناصر تک رسائی عطا کرتا ہے۔" [۱۴]

اور یہ بیان بہت اہم ہے جس سے اس پورے قضیے کو تقویت ملتی ہے۔

حوالہ جات:

1. Jacques Derrida, *Writing And Difference* (New Ed) (London: Routledge, 2001 CE),276.

۲۔ بحوالہ: ناصر عباس نیرّ (مرتب)، مابعد جدیدیت (اخلاقی جہات)(لاہور: بیکن بکس، ۲۰۱۵ء)، ۱۵۶۔

۳۔ گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، ۲۰۴۔

۴۔ عمران شاہد بھنڈر، مابعد جدیدیت اور امتزاجی تنقید (لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء)، ۲۰۸۔

۵۔ ایضاً، ۲۰۹۔

۶۔ وہاب اشرفی، مابعد جدیدیت مضمرات و ممکنات (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۷ء)، ۶۰۔

7. John Dewey, *Hegelc*, Ed: Michel Inwood (London: Oxford Press, 1985),187.

۸۔ گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات، ۵۰۴۔

9. Shannon Weis, *Post Modesenm and Its Critics* (Albama: University of Alabama Press, 2007), 429.

۱۰۔ ڈاکٹر اقبال آفاقی، مابعد جدیدیت فلسفہ و تاریخ کے تناظر میں (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۰۳ء)، ۱۸۲۔

۱۱۔ عتیق اللہ، مغرب میں تنقید کی روایت (یونان قدیم سے دریدا تک)(لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء)، ۳۳۷۔

۱۲۔ ایضاً، ۳۳۹۔

۱۳۔ الیاس بابر اعوان، بنیادی تنقیدی تصورات (لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء)، ۸۳۔

۱۴۔ ایضاً، ۸۴۔